بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ
انٹرنیٹ گزٹ

المنار

مدیر: مقصود الحق
نائب مدیر: مبارک احمد صدیقی
منیجر: سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ
53, Melrose Road, London, SW18 1LX
فون: 020 8877 5510 فیکس: 020 8877 9987
ای میل: ticassociation@gmail.com

جولائی 2012ء
جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 7

فرمان الٰہی

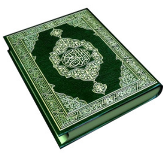

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۙ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر (بھی) روزوں کا رکھنا (اسی طرح) فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تا کہ تم (روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے) بچو۔

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ؕ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ

(سورۃ البقرۃ آیت 184-185)

(سو تم روزے رکھو) چند گنتی کے دن۔ اور تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو (اُسے) اور دنوں میں تعداد (پوری کرنی) ہوگی۔ اور اُن لوگوں پر جو اِس (یعنی روزہ) کی طاقت نہ رکھتے ہوں (بطور فدیہ) ایک مسکین کا کھانا دینا (بشرطِ استطاعت) واجب ہے۔ اور جو شخص پوری فرماں برداری سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کیلئے بہتر ہوگا اور اگر تم علم رکھتے ہو تو (سمجھ سکتے ہو کہ) تمہارے روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

"سنو سنو! تمہارے پاس رمضان کا مہینہ چلا آتا ہے۔ یہ مہینہ مبارک مہینہ ہے جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کردئے ہیں۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے اور اس میں ایک رات ایسی مبارک ہے جو ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ جو اس کی برکات سے محروم رہا تو سمجھو کہ وہ نامراد رہا" (نسائی کتاب الصوم)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدِّ نظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کیلئے روزے رکھتے اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔ (الحکم جلد 11 شمارہ نمبر 2 مورخہ 17 جنوری 1907ء)

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن - برطانیہ

ہماری ایسوسی ایشن کا فرض

جو ہم سب سابق طلباء نے مل جل کر ادا کرنا ہے

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"میں سمجھتا ہوں ایسوسی ایشن اگر اپنے ممبران سے مستقل رابطہ رکھے اور ممبران خود بھی ایک جذبہ کے تحت اپنی اس درسگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے کی کوشش کریں تو احمدی بچوں کیلئے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

(الفضل ربوہ 13 اکتوبر 2011ء)

پاکستان کے نادار اور مستحق احمدی طلباء کی امداد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور انور نے جو بابرکت تحریک فرمائی ہوئی ہے، اس میں دِل کھول کر حصہ لیں۔ یہ بچے ہمارے بچے ہیں اور ان کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ بعض سابق طلباء نے اس مد میں نمایاں ادائیگی کر کے شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔ فاستبقوا الخیرات کے مطابق آپ بھی اس کارِ خیر میں شامل ہوں۔ (صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے واقعات

چُپ ہو گیا

ایک پادری نے مجھ سے کہا کہ بہشت میں کھائیں گے تو پاخانہ کیوں نہ پھریں گے۔ میں نے کہا تو نے نو مہینے تک ماں کے پیٹ میں کھایا، کیا وہاں پاخانہ بھی پھرتا تھا۔ اس پر وہ چُپ ہو گیا۔

اب کبھی یہ اعتراض نہیں کروں گا

مجھ پر ایک آریہ نے اعتراض کیا کہ تم قبلہ کی سمت کو کیوں معزز سمجھتے ہو اور نمازوں میں اس طرف کو منہ کیوں کرتے ہو؟

میں نے کہا ھَوَن (ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم ہے جس میں منتر پڑھتے ہوئے آگ میں گھی ڈالا جاتا ہے) کرتے وقت تم اس کی طرف پشت کیوں نہیں کر لیتے؟ پھر اب جو تم نے مجھ سے بات کی تو میری طرف پشت کیوں نہیں کی؟ کہنے لگا اب کبھی یہ اعتراض نہیں کروں گا۔

(از مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدینؓ)

اتنی جلدی واپس کیوں لوٹ آئے

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک دفعہ قادیان میں ایک شخص آیا اور ایک دن ٹھہر کر چلا گیا۔ جنہوں نے اسے بھیجا تھا انہوں نے خیال کیا کہ یہ قادیان جائے گا اور وہاں کچھ دن ٹھہر کر حضرت مسیح موعودؑ کی باتیں سنے گا۔ وہاں کے حالات دیکھے گا تو اس پر احمدیت کا کچھ اثر ہوگا۔ مگر جب وہ ایک دن ٹھہر کر واپس چلا آیا تو ان بھیجنے والوں نے اس سے پوچھا کہ تم اتنی جلدی کیوں آ گئے وہ کہنے لگا ''توبہ کرو جی وہ بھی کوئی شریفوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔'' انہوں نے خیال کیا کہ شاید کسی کے نمونہ کا اچھا اثر نہیں لیا ہوگا جس سے اس کو ٹھوکر لگی ہوگی۔ انہوں نے پوچھا کہ آخر بات کیا ہوئی جو تم اتنی جلدی چلے آئے۔ اس نے کہا میں صبح کے وقت قادیان پہنچا۔ مہمان خانہ میں مجھے ٹھہرایا گیا۔ میری تواضع آؤ بھگت کی گئی۔ ہم نے کہا سندھ سے آئے ہیں راستہ میں تو کہیں حُقہ پینے کا موقع نہیں ملا اب اطمینان سے بیٹھ کر حقہ پئیں گے اور آرام کریں گے۔ ابھی ذرا حقہ آنے میں دیر تھی کہ ایک شخص نے کہا بڑے مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل کو لوگ بڑے مولوی صاحب کہا کرتے تھے) اب حدیث کا درس دینے لگے ہیں۔ پہلے درس سُن لیں پھر حُقہ پینا۔ ہم نے کہا چلو قادیان آئے ہیں تو حدیث شریف کا درس بھی سن لیں۔ حدیث کا درس سن کر آئے تو ایک شخص نے کہا۔ کھانا بالکل تیار ہے۔ پہلے کھانا کھا لیں ہم نے کہا ٹھیک ہے کھانے سے فارغ ہو کر پھر اطمینان سے حُقہ پئیں گے۔ ابھی کھانا کھا کر بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے کہا کہ ظہر کی اذان ہو چکی ہے۔ ہم نے کہا اب آئے ہیں چلو قادیان میں نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ ظہر کی نماز پڑھ چکے تو مرزا صاحب بیٹھ گئے اور وہاں باتیں شروع ہو گئیں۔ ہم نے کہا چلو مرزا صاحب کی گفتگو بھی سن لیں کہ کیا فرماتے ہیں پھر چل کر حُقہ پئیں گے۔ وہاں سے باتیں سن کر آئے اور پیشاب پاخانہ سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھے اور حُقہ سلگایا کہ اب تو سب طرف سے فارغ ہیں اب تسلی سے حُقہ پیتے ہیں لیکن ابھی دو کش بھی حُقہ کے نہ لگائے تھے کہ کسی نے کہا کہ عصر کی اذان ہو چکی ہے۔ نماز پڑھ لو۔ حقہ کو اسی طرح چھوڑ کر ہم عصر کی نماز کو چلے گئے۔ عصر کی نماز پڑھی تو خیال تھا کہ اب تو شام تک حُقہ کے لئے آزادی ہو گئی کہ کسی نے کہا کہ بڑے مولوی صاحب مسجد اقصیٰ میں چلے گئے ہیں اور وہاں قرآن کریم کا درس ہوگا۔ ہم نے سمجھا تھا کہ اب شام تک حُقہ پینے کا موقع ملے گا پر خیر اب آئے ہیں تو قرآن کریم کا درس بھی سن لیتے ہیں بڑی مسجد میں گئے۔ درس سنا اور سن کر واپس آئے تو مغرب کی اذان ہو گئی اور حُقہ اسی طرح دھرا رہا اور ہم مغرب کی نماز کیلئے چلے گئے .....

..... تو ایسی جگہ جہاں حُقہ پینے کی فرصت بھی نہ ملے کوئی رہنے کی جگہ ہے۔

(خطباتِ محمود جلد 1 صفحہ 93)

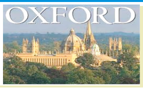

المنار نیوز لائن

مئی 2012 کی 26 تاریخ اور ہفتے کا دن تھا۔ آسمان پر چمکتا ہوا سورج اپنی کرن پاشی میں مصروف تھا۔ برطانیہ میں تعلیم الاسلام کالج کے سابق طلباء کی ایسوسی ایشن کے ممبران بیت الفتوح میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل قریباً ساڑھے دس بجے صبح صدر ایسوسی ایشن مکرم عطاء المجیب راشد صاحب نے دعا کرائی اور 23 ممبران پر مشتمل قافلہ چار گاڑیوں میں آکسفورڈ کی طرف عازمِ سفر ہوا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم آکسفورڈ مشن ہاؤس پہنچے جہاں مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب، مکرم مبارک بسرا صاحب، فیض منصور صاحب اور صباحت واہلہ صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔ آدھ گھنٹے بعد سابق طلبۂ تعلیم الاسلام کالج کا یہ قافلہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوا۔ مکرم مبارک بسرا صاحب ہمارے گائیڈ بنے۔ مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب نے ہمیں بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کل 38 کالجز پر مشتمل ایک تعلیمی گاؤں کی مانند ہے۔ اس کے زیادہ تر کالجز بارہویں اور چودہویں صدی کے دوران وجود میں آئے جبکہ خواتین کو یہاں داخلہ لینے کی اجازت 1878 میں اور ڈگری لینے کی اجازت 1920 میں ملی۔ تعلیم الاسلام کالج کے محبوب پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) نے 1934 میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے Balliol College میں تعلیم حاصل کی۔ یہ کالج 1264 میں وجود میں آیا تھا۔

آکسفورڈ کا علاقہ کافی وسیع و عریض ہے۔ کالج، چرچ، میوزیم اور لائبریریاں کافی تعداد میں ہیں۔ ہم نے وہ جگہ بھی دیکھی جہاں تین پادریوں کو صرف اس وجہ سے زندہ جلا دیا گیا تھا کہ وہ چرچ پر تنقید کے مجرم گردانے گئے تھے۔ اب ان کی یاد میں وہاں ان کے مجسمے نصب ہیں۔

میوزیم میں قدیم زمانے کی ایجادات اور پھر ان میں بتدریج ترقی کے نمونے دیکھے۔ اس کے بعد ہم نے ایک پارک میں ڈیرہ آن لگایا۔ جہاں نماز کے لئے صفیں، کرسیاں اور کھانا بہم پہنچائے فیض منصور اور صباحت واہلہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم نے مزیدار اور لذیذ کھانے (بریانی، دہی، دال، روٹی، کولڈ ڈرنکس، قلفی اور چائے وغیرہ) سے لطف اٹھایا اور خدا کا اور اپنے میزبانوں کا شکر ادا کیا۔

کھانے کے بعد ایک نشست ہوئی۔ جس میں رانا عبد الرزاق خان صاحب نے ربوہ کے بارے میں اپنا منظوم کلام اور بعض دیگر سابق طلبہ نے اپنے اور اپنے بزرگوں کے ساتھ بیتے ہوئے معجزانہ واقعات سنائے۔ اس دوران وقفے وقفے سے سنائے جانے والے دلچسپ لطائف اور مکرم ظہیر جتوئی صاحب کی طرف سے پیش کئے جانے والے خشک میوہ جات محفل کو اور بھی گرماتے اور پُرلطف و یادگار بناتے رہے۔ بعد ازاں اسی پارک میں ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کی گئیں جس کے بعد ہم واپس لنڈن کی طرف روانہ ہو گئے۔

یادوں کے دریچے

(آصف علی پرویز)

والد صاحب (چوہدری اکبر علی) نے نوٹ گن کر جیب میں رکھے اور مجھے ساتھ لیکر تعلیم الاسلام کالج کی طرف روانہ ہوگئے۔ پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحبؒ نے مختصر سا انٹرویو لیا، میرے تعلیمی ریکارڈ پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور کالج میں داخلے کے فارم پر کچھ تحریر فرما کر وہ فارم ہمیں واپس تھما دیا۔ اس کے بعد ہم داخلہ کا آخری مرحلہ طے کرنے کے لئے کالج کے آفس میں مکرم قریشی عبداللہ صاحب کے پاس چلے آئے اور جب والد صاحب نے جیب میں پہلے سے گن کر رکھی ہوئی رقم نکال کر ان کے سامنے رکھی تو مسکراتے ہوئے انہوں نے وہ رقم والد صاحب کو واپس کردی۔ اس پر ہمیں متعجب دیکھ کر کہا کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ فیس تو قبلہ پرنسپل صاحب نے آپ کے بیٹے کے اعلیٰ نمبروں کی وجہ سے معاف کردی ہے۔ چنانچہ ہم حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کی شفقت وعنایت کا انمٹ نقش لئے خوشی خوشی گھر چلے آئے۔

آپ کی شفقت وعنایت کا یہ نقش پہلا تو ضرور تھا مگر آخری نہیں۔ 1969 کی بات ہے کہ میں نے بی ایس سی کے امتحان میں خدا کے فضل سے ریاضی اور فزکس میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ اور یہ سال کالج کی تاریخ میں ایک مزید سنگ میل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ وہ یوں کہ اسی سال تعلیم الاسلام کالج کے نیو کیمپس (ڈگری کالج) میں ایم ایس سی فزکس کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ میں اللہ کے فضل سے اس پہلی کلاس میں شامل تھا۔ اس کلاس کے آغاز سے ہی مکرم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب نے طلبہ کے لئے 5 دن پڑھائی اور پھر ہفتے کے روز 3 گھنٹے کے امتحان کا نظام جاری کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ جو بھی ان ٹیسٹس میں سب سے زیادہ نمبر لے گا وہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی طرف سے جاری کردہ سکالرشپ کا مستحق ہوگا۔ میں خدا کے فضل سے ان امتحانوں میں اوّل آتا رہا، مگر جب اعلان ہوا تو یہ سکالرشپ کسی اور طالب علم کو ملا۔ چنانچہ میں نے پرنسپل قاضی محمد اسلم صاحب سے مؤدبانہ طور پر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بس محنت سے پڑھائی جاری رکھو! نتیجہ انشاء اللہ تمہارے حق میں بہتر نکلے گا۔ چنانچہ بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے لقمان سکالرشپ کا اجراء کیا گیا جو خاکسار کو عطا ہوا۔ اس سکالرشپ کے اعلان کے دو ہفتے بعد کالج کی سالانہ کھیلیں تھیں۔ محترم پرنسپل صاحب کو سلامی دینے کے لئے جھنڈا میرے ہاتھ میں دیا گیا تھا۔ جب مارچ پاسٹ ہو چکا تو محترم قاضی صاحب نے اپنی چھڑی پیار کے ساتھ ہولے سے چھوتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ اسے کہتے ہیں صبر کا پھل میٹھا اور اسے کہتے ہیں نہلے پہ دہلا۔ تم تو شکوہ کر رہے تھے کہ تمہیں ڈاکٹر سلام صاحب والا سکالرشپ نہیں ملا۔ حضورؒ نے تو تمہیں اپنا ذاتی سکالرشپ دیدیا ہے۔ جو اپنی شان واہمیت اور وظیفے کی رقم میں بھی زیادہ ہے۔

جب میں ایم ایس سی فزکس کے امتحان کا آخری پرچہ دے کر نکلا تو باہر اپنے لیبارٹری اسسٹنٹ صاحب کو منتظر پایا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ مکرم پروفیسر نصیر خان صاحب کا ارشاد ہے کہ گھر جانے سے پہلے میں انہیں کیمپس میں مل کر جاؤں۔ میں حاضر ہوا تو انہوں نے حضورؒ کی خدمت میں لکھا ہوا عریضہ دکھایا کہ خاکسار کو امتحان کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی تعلیم الاسلام کالج میں لیکچرر تعینات کردیا جائے۔ اور دریافت فرمایا کہ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہوگی۔

چنانچہ میں لیکچرر تعینات ہوگیا جبکہ رزلٹ میری تعیناتی کے چند ماہ بعد آیا۔ اس رزلٹ میں میری پنجاب یونیورسٹی میں پانچویں پوزیشن تھی۔ جس نے استاذی المکرم پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحبؒ کے حسنِ ظن کا سر خم نہیں ہونے دیا۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے 1965 سے 1971 تک تعلیم الاسلام کالج میں 6 سال پڑھنے اور پھر اسی کالج میں 4 سال پڑھانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

اردو کا آخری امتحان

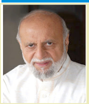

(رشید ارشد)

نوٹ: تمام سوالات لازمی ہیں۔ امتحان میں نقل لگانے کی اجازت ہے۔ کتاب کھول کر یا کسی سے براہ راست پوچھ کر بھی جوابات دئے جا سکتے ہیں۔ سیل فون کے استعمال کی بھی اجازت ہے۔ تمام سوالات کے نمبر مساوی ہیں۔ صفائی (ہاتھ کی) کے اضافی نمبر ہوں گے۔ پرچہ حل کرنے کے دوران پانی پینے کی اجازت ہے۔

سوال 1: 1971ء سے پہلے پاکستان کے دو حصے تھے۔ اب کتنے ہیں؟

سوال 2: پاکستان 1947 میں آزاد ہوا اور چین 1949ء میں۔ اس وقت دونوں ملک کہاں ہیں؟ نقشہ دیکھے بغیر بتائیں۔

سوال 3: اگر کراچی کو الگ صوبہ بنا دیا جائے تو اس کا گورنر کون ہوگا؟ اپنی پسند پر نشان لگائیں: سندھی، بلوچی، مہاجر، پٹھان، پنجابی، پاکستانی۔

سوال 4: بھاٹی گیٹ کس شہر میں واقع ہے؟ اکبری گیٹ کس نے تعمیر کروایا؟ واٹر گیٹ کہاں واقع ہے اور اسے کس نے بنایا؟ میوگیٹ کس طرف کو کھلتا ہے؟

سوال 5: مندرجہ ذیل سوالات کا جواب اپنی عقل کے مطابق دیں:

امریکی صدر انگریزی زبان میں تقریر کرتا ہے۔ برطانوی وزیر اعظم انگریزی زبان میں تقریر کرتا ہے۔ فرانسیسی صدر فرانسیسی زبان میں تقریر کرتا ہے۔ چینی صدر چینی زبان میں تقریر کرتا ہے۔ روسی صدر روسی زبان میں تقریر کرتا ہے۔

پاکستان کا صدر اور وزیر اعظم کس زبان میں تقریر کرتا ہے اور کون سی بولی بولتا ہے؟

سوال 6: (الف) اسلامی جمہوریہ پاکستان میں پچھلے چند سالوں میں چالیس ہزار سے زائد مسلمان دہشت گردی کے نتیجہ میں مارے گئے ہیں۔ ان میں مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے بھی شامل ہیں۔ کئی شہری مساجد میں عبادت کے دوران، کئی اپنے خاندان کیلئے حلال روزی کماتے ہوئے اور کئی روزمرہ کے معمول ادا کرتے ہوئے مارے گئے۔ بتائیں کہ مندرجہ ذیل گروہ میں سے کس نے ان نہتے اور معصوم مسلمانوں کو ہلاک کیا ہے؟

ہندوؤں نے — یہودیوں نے — عیسائیوں نے — مشرکین نے

سوال 7: (ب) گزشتہ پانچ سال میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مساجد، عبادت گاہوں اور اولیاء اللہ کے مزاروں میں کئی بم دھماکے ہوئے۔ گزشتہ سو سال میں مندرجہ ذیل کفار ممالک میں واقع مسلمانوں کی مساجد میں کتنے بم دھماکے ہوئے ہیں؟

امریکہ — برطانیہ — جرمنی — فرانس — ناروے

سوال 8: کسی آیت قرآنی یا حدیث کا حوالہ دے کر ثابت کریں کہ خودکشی کسی بھی صورت میں جائز ہے؟

سوال 9: جزا سزا کا مالک کون ہے؟ صحیح جواب پر نشان لگائیں:

قبائلی سردار — لینڈ مافیا — طالبان — علماء — بھتا خور — پولیس

سوال 10: پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ صرف ایک پر نشان لگائیں۔

جہالت — لینڈ مافیا — بے روزگاری — کثرت آبادی — صحت

کرپشن — فرقہ واریت — مفاد پرستی — انتہاپسندی — غربت

سوال 11: بلیک بیری کسی نے ایجاد کیا؟

منصور اعجاز — حسین حقانی — امریکی جنرل ملن — رحمان ملک

جستہ جستہ

ایک چھوٹے سے قصبے میں

شملہ کی ایک دعوت میں اُونچے سرکاری طبقے کے لوگ شریک تھے۔ مولانا محمد علی جوہر بھی اپنے فقیرانہ لباس میں وہاں موجود تھے۔ اردو میں بات چیت جاری تھی کہ اپنی کسی بات کو منوانے کیلئے مولانا موصوف نے انگریزی بولنی شروع کردی اور دلائل کا انبار لگا دیا۔ دعوت میں شریک ایک ہندورانی مولانا کی انگریزی زبان کی مہارت سے بڑی متاثر ہوئی اور بولی:
مولانا! آپ اتنی اچھی انگلش بول رہے ہیں۔ آخر آپ نے یہ انگلش سیکھی کہاں سے؟

مولانا نے جواب دیا: بس ایک معمولی سے چھوٹے سے قصبے میں۔ اس پر رانی مزید حیران ہوئی اور دریافت کیا کہ اس چھوٹے سے قصبے کا نام کیا ہے؟
مولانا نے آہستگی اور سادگی سے جواب دیا "آکسفورڈ"
یہ سنناتھا کہ ساری محفل زعفران زار ہوگئی۔

بغیر راکٹ سائنس کے خلا کے کنارے تک

کینیڈا کے دو طلبہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بظاہر مشکل دکھائی دینے والے کاموں کیلئے ہمیشہ کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ٹورانٹو کے ان طلبہ کے نام اسد محمد اور میتھو ہو ہیں۔ یہ دونوں سکول میں پڑھتے ہیں۔ انہوں نے خلا کے کنارے تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ایک ایسی چیز کا استعمال کیا جو بچوں میں بہت مقبول ہے۔
انہوں نے گتے کے ایک ڈبے پر کیمرہ اور کینیڈا کا جھنڈا تھامے انسان نما ایک کھلونا گیس غبارے پر نصب کر کے اسے ہوا میں چھوڑ دیا۔ اس غبارے نے فضا میں قریباً ۲۴ کلومیٹر تک سفر کیا۔ اس کے بعد جب غبارہ پھٹ گیا تو کیمرے کی فلم اور کھلونا زمین پر بحفاظت اُتر آیا۔ اگرچہ ان کا نزول اس جگہ سے قریباً ۱۰۰ کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر ہوا جہاں سے انہیں فضا میں چھوڑا گیا تھا تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ ان بچوں نے GPS آلے کی مدد سے گتے پر نصب کھلونے اور کیمرے کو ڈھونڈ بھی لیا۔ اس حیرت انگیز تجربے کے دوران کیمرے نے کرۂ ارض کے ماحول کی جو فلم بنائی ہے ان دنوں وہ انٹرنیٹ پر بہت مقبول ہے۔ (bbcurdu.com)

طویل سفر کے نقصانات bbcurdu.com

عالمی ادارہ صحت نے خبردار کیا ہے کہ طویل پرواز میں سفر کرنے والوں کے خون کے منجمد ہو کر لوتھڑے بن جانے کا خطرہ دُگنا ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جان لیوا مرض (DVT) Deep Vein Thtombosis ہو سکتا ہے۔ اس مرض میں لمبا عرصہ حرکت نہ کرنے کے نتیجے میں وین میں خون منجمد ہو جانے سے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بعد میں یہی لوتھڑا جب پھیپھڑے، دل یا دماغ کی طرف حرکت کرتا ہے تو ہارٹ اٹیک، فالج یا اسی قسم کی دیگر تکالیف کا باعث بن سکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق چار گھنٹے کے ہوائی سفر کے نتیجے میں DVT ہو جانے کا خطرہ دوگنا ہو جاتا ہے۔
ادارۂ صحت کا کہنا ہے کہ اس مرض کا شکار ہوائی مسافروں کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو ٹرین یا کاروں وغیرہ میں لمبا سفر کرتے ہیں۔ اس مرض سے بچاؤ کی ہدایات میں کہا گیا ہے کہ لمبے سفر کے دوران اپنے ٹخنوں اور ٹانگوں کے نچلے حصوں کی مسلسل ورزش کرتے رہیں یا اُٹھ کر چند قدم چل کر پھر دوبارہ بیٹھ جائیں۔ نیز لمبے سفر سے قبل پانی میں گھلنے والی اسپرین لینے سے یا سفر کے دوران مسلسل پانی کا استعمال کرنے سے بھی ان لوتھڑوں کو بننے سے روکا جا سکتا ہے۔

لمبے سفر کی ممانعت۔ ایک ڈاکٹری ہدایت

ایک صاحب ٹرین میں سفر کر رہے تھے ان کے ہمراہ سفر کرنے والوں نے دیکھا کہ ٹرین جس ریلوے سٹیشن پر رُکتی ہے موصوف ٹرین سے اُتر جاتے ہیں اور ٹرین کے چلنے پر جلدی سے دوبارہ سوار ہو جاتے ہیں۔ جب موصوف ۱۰ مرتبہ ایسا کر چکے تو ان کی سیٹ کے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر سے رہا نہ گیا اور بالآخر پوچھ ہی لیا کہ آپ کو تکلیف کیا ہے، آپ ٹرین سے ہر بار نیچے کیوں اُتر جاتے ہیں؟ ان صاحب نے جواب دیا دراصل ڈاکٹر نے مجھے لمبے سفر کرنے سے منع کر رکھا ہے۔

پتلا پانی

میرے پانی میں ملا اور ذرا سا پانی
میری عادت ہے کہ پیتا ہوں میں پتلا پانی

(انور مسعود)

فقیر خاتون خانہ سے: کیا آپ کے پاس بھوکے کو کھلانے کیلئے کھانا ہے؟
خاتون خانہ: ہاں ہے۔ مگر وہ بھوکا ابھی دفتر سے واپس نہیں آیا۔

مجاز ایک مشاعرے میں غزل پڑھ رہے تھے کہ دفعتاً سامعین میں سے ایک خاتون کی گود میں اس کا شیر خوار بچہ زور زور سے رونے لگا۔ مجاز اپنی غزل کے شعر کو ادھورا چھوڑتے ہوئے متعجب ہو کر پوچھنے لگے:

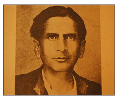

"نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا"

چند یادیں

از ثنار محمد خاں

خاکسار نے 1957 میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بی ایس سی میں داخلہ لیا تھا۔ کالج کے اس زمانے کی یادوں کا ایک حصہ پہلے آچکا ہے۔ گزشتہ دفعہ جہاں سے یہ سلسلہ ٹوٹا تھا اس سے آگے بیان کرتا ہوں:
1979 میں خمینی صاحب کے انقلاب کے بعد ایران سے واپسی پر 2 ویزے طہران سے با آسانی مل گئے۔ ایک سعودی عرب کا اور دوسرا نائیجیریا کا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رہنمائی کی درخواست کی۔ آپ نے حکماً فرمایا "نائیجیریا چلے جاؤ!" پھر کرسی سے کھڑے ہو کر میری کمر پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہو!
چنانچہ میں نے ٹکٹ بک کروائی اور دو تین دن کے بعد نائیجیریا کے لئے روانہ ہو گیا۔ میری فلائٹ کو نیروبی کے رستے لیگوس جانا تھا۔ نیروبی ائرپورٹ پر مکرم شکیل منیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ کئی سال سے نائیجیریا میں کالج کے پرنسپل کے طور پر تعینّات تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا تاکہ ویزے کی نوعیت جان سکیں۔ دیکھ کر پریشان ہوئے کہ ویزہ تو گزشتہ رات ختم ہو چکا ہے۔ میں بھی کچھ پریشان ہوا۔ وہ کہنے لگے کہ نائیجیریا کی امیگریشن کا عملہ بہت سخت گیر اور بدتمیز ہے۔ وہ کسی طرح بھی بغیر ویزے کے تمہیں نائیجیریا میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ میرے دل میں بھی وساوس آنے لگے اور دعا شروع کردی۔ مگر مجھے اس بات کی بڑی ڈھارس تھی کہ خلیفۂ وقت کی دعاؤں کی تھپکی لیکر چلا ہوں تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔ شکیل منیر صاحب اور ان کی اہلیہ بھی میرے لئے دعا کرتے رہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خلیفۂ وقت کے مونہہ سے نکلے ہوئے الفاظ اس طرح میری مدد کریں گے کہ امیگریشن کا عملہ گویا اندھا ہو جائے گا اور میں بغیر کسی تکلیف کے نائیجیریا میں داخل ہو جاؤں گا۔ جب میں نے امیگریشن کے عملے کو اپنا پاسپورٹ دیا تو متعلقہ افسر نے پاسپورٹ کا پہلا صفحہ دیکھا اور مجھ سے کہا کہ مسٹر خان آپ کا پاسپورٹ 7 دنوں میں ختم ہو رہا ہے اس لئے میں آپ کو 7 دنوں کے لئے نائیجیریا میں داخل ہونے دے رہا ہوں اور انٹری کی مہر لگا کر پاسپورٹ مجھے تھما دیا۔ ویزہ جو ختم ہو چکا تھا اس کی طرف اس کی نظر ہی نہیں گئی۔ میرا سر خلیفۂ وقت کی اس دعا کہ "جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہو!" کا یہ کرشمہ دیکھ کر شکر اور خدا تعالیٰ کی عظمت سے نیچے جھک گیا۔

بیالوجی اور اردو ادب

پروفیسر محمد شریف خان

زندگی کے اُس دور میں سے گزر رہا ہوں، جہاں ذہن کی کھڑکیوں میں حال سے بہتر زمانہء گزشتہ کے واقعات گھومتے رہتے ہیں۔ جنہیں لفظوں میں قید کرنے کی جسارت کر تے ہوئے اپنی کم مائیگی سے پریشان بھی ہوں کہ میرا اردو ادب سے

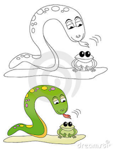

تعلق تو صرف ایم اسلم، نسیم حجازی اور ابن صفی کے ناولوں کے علاوہ محترم ڈاکٹر پرویز پروازی سے شناسائی تک محدود ہے ۔ ورنہ اس فقیر نے ساری عمر سانپوں اور چھپکلیوں کے پیچھے بھاگتے گزاری ہے۔ مجھے تو یہ بیل کسی طور منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ۔ بہر حال جو اُلٹے سیدھے فقرے لکھ پایا ہوں آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

نصف صدی سے زائد کی بات ہے جب ہیچمدان نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ موسمِ گرما کی تعطیلات کے بعد کالج کھلا۔ سکول کے ماحول سے گئے تھے۔ پہلا ہفتہ تو کالج کی راہداریوں اور کلاس رومز کی پہچان میں ادھر ادھر بھٹکتے گزرا۔ کچھ سینئیر طلباء سے جان پہچان ہوئی۔ کالج یونین کے انتخابات ہوئے۔ امیدواران کی تقاریر سننے کا موقعہ ملا۔ سٹیج پر سفید شلوار قمیص میں ملبوس ایک ٹوپی پوش نوجوان

جس کی آنکھوں پر کالے فریم میں دبیز شیشوں والا چشمہ اور ٹھوڑی پر مختصر سی داڑھی تھی، کو اپنی ہی طرز کی منحنی مگر زوردار آواز میں تقریر کرتے پایا۔ کیا طرزِ تخاطب تھا کہ ایک ایک جملے پر ہیئر ہیئر (جسے ہم لوگوں نے خر گوش، خرگوش میں بدل دیا تھا) کے نعرے بار بار کالج ہال میں بلند ہو رہے تھے۔ مقرر کے متعلق متجسس ہوئے، پتا چلا موصوف کا نام پرویز پروازی ہے۔ پھر تو ہم ہر اس تقریب کے out standing سامع بن گئے جس میں پروازی صاحب سخن طراز ہوتے۔ پر وازی صاحب کا چلبلا پن اور بے ساختہ فقرے بازی debates کے دوران سننے والی ہوتی۔ سامعین تھے کہ بے اختیار واہ واہ سے بار بار بلبلا اٹھتے!

ستمبر 1963 میں میری تقرری شعبہ بیالوجی میں لیکچرر کے طور پر ہوئی۔ پروازی صاحب ستمبر 1961 سے کالج میں اردو ادب پڑھا رہے تھے پھر تو ان سے شعبہ بیالوجی میں ہر روز ملاقات رہنے لگی۔ باعث تقریبِ ملاقات صدر شعبہ (حبیب الرحمان شاہ صاحب) اور موصوف کی تمباکو دشمنی تھی۔ دشمن بھی ایسے جانی کہ جب تک فینچی کی ڈبیہ کے تمام سیاہ چراغ پھونکیں مار مار کر بجھا نہ لیتے چین نہ آتا۔ ٹک شاپ کی رنگ اُڑی ٹرے میں چائے کی پیالیوں کی بچھی ہوئی بساط، Blue میٹلیک چائنیک، نام نہاد سفید پلیٹ میں کچھ سفید ٹیالے بسکٹ اور ایک پرچ میں برائی کے عبرتناک انجام کی راکھ کے ساتھ گرم گرم موضوعات پر بحث، کہ بھٹو کی آمد آمد اور ایوب کا چل چلاؤ تھا۔ اگرچہ موضوعات کی کمی نہ تھی مگر میڈیکل سائنس ابھی اسقدر بالغ نہیں ہوئی تھی کہ بیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں اٹھنے والے مرغولہ ہائے دُودِ سموم سے بچنے کی تلقین کرتی۔ چنانچہ ہم گھٹن بھرے ماحول میں بھی پروازی صاحب کے جستہ جستہ چست کئے ہوئے فقروں اور دھواں دھار تجزیوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ ناگہاں گھنٹی کی آواز محفل کو تتر بتر کر جاتی اور اپنا اپنا رجسٹر بغل میں دابے کوئی مشرق اور کوئی شمال کی راہ لیتا۔ کالج کا صاف ستھرا علمی و ادبی ماحول جہاں طلبہ کے ذہنوں کو جلا بخشتا، وہاں اساتذہ کی علمی جستجو کو بلند (پرویز) پروازی کیوں عطا نہ کرتا، کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ پرے سے پرے پراں اور بھی ہیں۔ چنانچہ پروفیسر نصیر خان مرحوم اور پروفیسر سید سلطان محمود شاہد نے برطانیہ کی

یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اسی دوران پروازی صاحب نے اردو ادب میں ڈاکٹریٹ کے لئے پنجاب یونیورسٹی میں رجسٹریشن کرالی۔ کالج میں جمعہ چھٹی کا دن تھا۔ چنانچہ موصوف جمعرات کی شام کولاہور جاتے اور جمعہ کو پچھلے پہر واپسی ہوتی۔ اس دوران حادثے کا شکار بھی ہوئے مگر اللہ نے بچالیا اور رہ وفا میں ہنسلی و پسلی کی قربانی اور ''ہڈ پیسنے'' کے مجاہدے سے ڈاکٹریٹ کمائی۔ الحمدللہ۔ ہم نے 1956 میں بیالوجی لیبارٹری کے جن demonstration tables پر بیٹھ کر مینڈک کی dissection کا سبق مرحوم پروفیسر نصیر احمد بشیر صاحب سے لیا تھا، 1991 میں انہی میزوں پر تحقیقی کام کر کے پنجاب یونیورسٹی سے 1996 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اس تاخیر کی وجہ پاکستان میں thesis جانچنے والے کی عدم دستیابی تھی۔ نتیجتاً 1991 میں رجسٹرار کے پاس Submitt کیا ہوا مقالہ جانچکاری کے لئے 1996 میں Helifax کینیڈا بھجوایا جا سکا۔

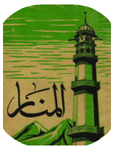

تعلیم الاسلام کالج کے میگزین ''المنار'' کا شمارہ دو تین ماہ کے بعد شائع ہوا کرتا تھا۔ علمی و ادبی سرگرمیوں کے لئے کالج یونین کے علاوہ ہر مضمون کی الگ الگ مجالس بھی ہوا کرتی تھیں۔ انتخابات عمل میں آتے، ہفتہ پندرہ دن بعد اجلاس ہوتے، مقالے پڑھے جاتے۔ انٹر کالیجیئٹ مباحثوں کا انعقاد ایک اہم سالانہ فنکشن ہوتا۔ آئے دن دریا کنارے منائی جانے والی picnics، غرض کالج میں ہر طرف زندگی اٹھکیلیاں کرتی نظر آتی۔ آئے دن کسی علمی و ادبی شخصیت کا کیمسٹری تھیئٹر میں لیکچر ہوتا۔ ان میں وہ روسی سائنسدان بھی شامل تھا جس نے پہلا خلائی جہاز sputnik فضائی مدار میں چھوڑا تھا۔ ہم نے ان صاحب کا آٹوگراف بھی لیا تھا۔

پھر اردو کانفرنسوں کا انعقاد جن میں اس وقت کی اردو ادب کی جانی پہچانی شخصیات رونق افروز ہوتیں۔ کھیلوں میں باسکٹ بال، ہاکی اور رونگ وغیرہ کے مقابلے ہوتے۔ الغرض طلباء کی ذہنی بالیدگی اور جسمانی ورزش کا پورا پورا اہتمام تھا۔

بُرا ہو تعصب کی کالی آنکھ اور کم نظری کا کہ ہنستا بستا تعلیم الاسلام کالج جسمیں ہم سب ایک گھر کے افراد کی طرح رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے لئے اچھا سوچتے اور اچھا کرتے تھے سیاسی کج بصیرت کا شکار ہو گیا۔ روایتیں اور ادارے تو بنتے بنتے بنتے ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج ایک صدی کی روایت اور محبت، صلح اور آشتی کا گہوارہ، مہینوں نہیں دنوں میں قومیا لئے جانے کے عفریت کا شکار ہو گیا۔ آج اس مادرِ علمی کے سپوت دنیا بھر میں اپنی اپنی مجالس سجائے اپنے اساتذہ، اپنے دوستوں اور زندگی کے اُس سنہرے دور کو اسی قدیمی محبت اور خیر سگالی کے جذبات کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو وہ سنہرا دور یقیناً پھر لوٹ آئے گا، نئے تابناک اور فتحمند چہروں کے ساتھ انشااللہ ضرور لوٹے گا وہ سنہری دور!!!!!

''کوئے بازگشت''

تعلیم الاسلام کالج کے سابق طالبِ علم مکرم جمیل الرحمن صاحب کی غزلیات کا مجموعہ ''کوئے بازگشت'' کے نام سے حال ہی میں منصّۂ شہود پر آیا ہے۔جس کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے کہ اس میں اچھے اور تازہ کاری سے بھرے ہوئے اشعار اس کثرت سے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ اپنا سارا مضمون ان کے شعروں ہی سے بھر دوں۔جبکہ انتظار حسین کا کہنا ہے کہ ان کی شاعری میں ایک مختلف ذائقے کا احساس ہوتا ہے اور عرفان صدیقی نے ان کی غزلوں کو خوبصورت اور اثر انگیز قرار دیا ہے۔انہی دلآویز غزلوں کے کچھ چنیدہ اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

ایک زندہ شعر کہنے کی لگن　　رفتہ رفتہ روگِ جاں بنتی گئی
آگہی نے اس طرح الجھا دیا　　زندگی بھی اک گماں بنتی گئی

بہت اداس بہت الگ تھلگ رہنا　　یہ زندگی ہے کہ بیوہ ہے کوئی عِدّت میں
مرے وجود کے نوحے کوئی نہیں سُنتا　　میں گونجتا ہوں سدا اپنی ہی سماعت میں

برف کی چھت، موم کا در، کانچ کی دیوار ہے　　پھر بھی ایندھن بھرلیا ہے گھر کے آتشدان میں
ہر قدم پر تھا مزارِ قائدِ اعظم جمیل　　ہر قدم پر فاتحہ پڑھ آئے پاکستان میں

گلہری چیختی رہ جائے گی سنسان سڑکوں پر　　جہاں کچھ پیڑ تھے اب اک پلازہ سر اٹھائے گا
کئی نسلوں کے سُودی قرض ایسے تو نہیں چکتے　　جمیلؔ اک عمر میں تُو کیا کمائے اور چُکائے گا

یروشلم میں رہے ہم کہ نینوا میں رہے　　رضائے یار تھی جس میں اسی فضا میں رہے
ہماری خامشی کو سب نے بے بسی سمجھا　　خبر کسے تھی کہ ہم حالتِ دُعا میں رہے

دِل کے اطراف میں جب سرد ہوا چلتی ہے　　وہ ٹھٹھر کے بھی کوئی آگ جلاتا ہی نہیں
رُوح جب تک نہ پگھل جائے دعائیں کیسی　　اس لئے سجدہ کوئی راہ بناتا ہی نہیں

تُو نے اپنے لئے سوچا کیا ہے　　عشق کر عشق سے اچھا کیا ہے
اُٹھ تو جاؤں میں گلی سے تیری　　یہ بتا پھر مجھے کرنا کیا ہے

سمندر ہو کسی بھی ابتلا کا　　جزیرہ اس میں ہوتا ہے دعا کا
کھڑے عاشق ہیں لیکن عشق کھوٹا　　جنوں اپنا تماشا ہے انا کا

لفظ دوڑے نہ اگر بن کے لہو اس میں جمیلؔ　　دیر لگتی ہی نہیں شعر کو مر جانے میں

تخلیق روز کرتے رہے دُکھ نیا جمیل　　ہم جی سکے نہ غمِ دستیاب پر

شوکیس میں آنکھوں کے ہیں خوابوں کے کھلونے　　میں خود میں نہاں بچے کی مطلوب دُکاں ہوں

پارساؤں کی ڈائری پڑھ کر　　اک گنہگار ہوش کھو بیٹھا

نیلا پڑا ہوا ہے آج بھی اس کا بدن جمیل　　چُوما تھا کن لبوں نے مرے آسمان کو

جس کی سدا تھی آرزو یہ وہ سخن سرا نہیں　　ہر بات ہو چکی یہاں کہنے کو کچھ بچا نہیں

اک ستارے سے دوستی ہے مری　　صبح تک مجھ کو جاگنا ہوگا

پڑی نہیں ابھی تک نگاہ مرشد کی　　وگرنہ اُس کی توجہ سے کیا نہیں ہوتا

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن سے رابطہ کا طریق

بذریعہ خط جو اس پتہ پر ارسال کریں:

TIC OLD STUDENTS ASSOCIATION
53 Melrose Road, London SW18 1LX

بذریعہ فون: 020 88 77 55 10　بذریعہ فیکس: 020 88 77 99 87

بذریعہ ای میل: ticassociation@gmail.com

المنارنامہ

''المنار'' کا الیکٹرانک گزٹ باقاعدگی سے موصول ہوتا ہے۔ٹی آئی کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا قیام اور المنار کا دوبارہ اجراء حضور اقدس کی حوصلہ افزائی اور صدر ایسوسی ایشن اور ان کے رفقاء کی مخلصانہ کوششوں کا ثمر ہے۔

(جاوید احمد۔لیڈز)

المنار کے معلومات سے پُر بلند پایہ مضامین اور تعلیم الاسلام کالج کے حوالے سے سابق طلبہ کی یادداشتیں بلا شبہ ایک قیمتی خزانہ ہیں۔انہیں دوسروں کے ساتھ Share کرنا قابلِ تحسین ہے۔المنار کی صورت میں ایک بہت اچھا پلیٹ فارم میّسر آ گیا ہے جس سے دیگر لوگ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔جزاکم اللہ احسن الجزا۔

(سعیدہ بقاپوری۔کینیڈا)

1969 سے 1973 تک تعلیم اسلام کالج ربوہ میں زیرِ تعلیم رہا ہوں۔اس مادرِ علمی کے ساتھ بہت سی یادیں وابستہ ہیں جن میں سے المنار کے اردو سیکشن میں نائب مدیر کے طور پر خدمت کی سعادت بھی شامل ہے۔مطلوبہ تصویر بھجوا رہا ہوں۔

(عبدالباری ملک۔بریڈفورڈ)

مئی کا شمارہ نظر سے گزرا۔ ہمیشہ کی طرح دلچسپ ،مفید اور دیدہ زیب پایا۔(شاہد محمود)

جون کا شمارہ اچھا لگا اور اس سے بہت محظوظ اور لطف اندوز ہوا۔(منیرالحق شاہد۔کینیڈا)

المنار کے تازہ شمارے میں لطیف مزاح سے بھرپور مضمون ''جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے'' خاص طور پر پسند آیا۔

(صباح خواجہ۔جرمنی)

المنار علمی اور تربیتی خوراک فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ زمانوی اور مکانوی سیر بھی نہایت عمدگی سے کرواتا ہے۔اس کا انتظار رہتا ہے۔تمام ٹیم اور قلم کار قابلِ مبارکباد ہیں۔گزشتہ شمارے میں فیض احمد فیض کی نظم کا یہ مصرعہ ''نثار میں تیری گلیوں پہ اے وطن، کہ جہاں'' میں سہوِ کتابت سے ''اے وطن کے جہاں'' لکھا گیا ہے۔اسی طرح مکرم طاہر عارف صاحب کے شعر میں بھی لگتا ہے کہ ایک لفظ پرنٹ ہونے سے رہ گیا ہے۔جس سے وزن میں فرق آ گیا ہے۔

(شاہد رضوان خان۔یوکے)

المنار ماشاءاللہ ہر ماہ بہتری کی طرف گامزن ہے اور علمی اور ادبی پیاس بجھانے میں بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طاہر عارف صاحب کے ایک مصرعے میں ایک رکن پرنٹ ہونے سے رہ گیا ہے۔ازراہِ کرم چیک کر لیں۔

(نوٹ از مدیر: مکرم طاہر عارف صاحب کے مذکورہ شعر کی درستگی فرمالیں۔صحیح شعر یوں ہے:

''میں نے دیکھا تھا آسماں کی طرف ✿ دیکھتا اے خدا یہ تُو بھی تھا''

(فاروق محمود۔لنڈن)

اللہ کے فضل سے ہمارے جرائد اور ہمارے لکھنے والے غیر معمولی طور پر اعلیٰ اخلاقی قدروں اور مقدّس جماعتی روایات کے علمبردار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ احمدی قلمکار کی نظم و نثر میں اعلیٰ جماعتی اقدار اور احمدی کلچر کا حُسن سر چڑھ کر بولتا دکھائی دیتا ہے اور بجا طور پر دکھائی دینا بھی چاہیئے۔آزادئ اظہار، بے باکی اور بے تکلفی میں بھی ایک احمدی کا قلم اپنی حدود کو خوب پہچانتا اور ان کی پاسداری کرتا ہے۔اور اسے ایسا کرنا بھی چاہیئے کیونکہ یہی تو ہماری پہچان اور یہی ہماری میراث ہے۔یہی خصوصیت تو ہمیں دوسروں سے جدا اور ایک الگ اسلوب عطا کرتی ہے۔اللہ کرے ہماری ہر نسل اور ہمارا ہر لکھاری ہمیشہ ان اعلیٰ روایات کا زندہ استعارہ بنا رہے اور اس کا قلم کبھی ایسا اندازِ تحریر اختیار نہ کرے جو ہماری روایات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔آمین۔

(محمد مسیح الدین شاہد۔جرمنی)

طاہر عارف صاحب کا انشائیہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

میں انگلش سکول سے آیا تھا۔اس لئے میری اردو کی لکھائی بہت خراب تھی۔تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونے کے بعد غالباً دسمبر ٹیسٹ تھا میں نے اردو کا پہلا پیپر دیا تو مجھے یاد ہے کہ میرے 100 میں سے 52 نمبر آئے۔جس کے ساتھ ہمارے اردو کے پروفیسر مکرم پروازی صاحب نے سرخ روشنائی سے لکھا ہوا تھا''نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز'' مجھے اس کی بالکل سمجھ نہ آئی۔میں کئی لوگوں کے پاس گیا اور اس کا مطلب پوچھنے کی کوشش کی۔کسی نے شرارت سے کچھ بتایا اور کسی نے کچھ اور۔آخر پوچھتے پوچھتے پروازی صاحب کے پاس جا پہنچا تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہاری اردو کی لکھائی اچھی ہوتی تو تمہیں اس سے کہیں زیادہ نمبر مل سکتے تھے۔اپنی اس لکھائی کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔وہ یہ کہ ناصرات کی عمر کی ایک بچی نے کہا کہ میں اسے مقابلے کے لیے تقریر لکھ دوں۔چنانچہ میں نے تقریر لکھ دی۔اس نے مقابلہ میں حصہ لیا اور اوّل انعام حاصل کیا۔اس پر ہمارے مربی مکرم ادریس صاحب جو افریقہ میں بھی رہے ہیں انہوں نے اس بچی سے کہا کہ بہت اچھی تقریر تھی تمہاری۔یہ تقریر مجھے بھی دینا۔بچی نے تقریر والا کاغذ جب ان کو دیا تو انہوں نے لکھائی سے اندازہ کر کے کہا لگتا ہے کہ یہ تم نے خود لکھی ہے۔اس پر بچی نے کہا نہیں، یہ تو انہوں (یعنی طاہر عارف صاحب) نے لکھ کر دی ہے۔اور یوں مجھے خوب شرمندہ کیا۔ابھی بھی میرے لکھائی ویسی ہی ہے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔

اردو سے مجھے جو لگاؤ پیدا ہوا وہ تعلیم الاسلام کالج کی بدولت ہی ہے۔دورِ طالبعلمی میں جمیل الرحمٰن صاحب کی طرح اور میری طرح جو لوگ شاعر بنے اس میں ہمارے کالج کے ادبی ماحول کا بڑا دخل ہے۔جب میں فرسٹ ایئر میں گیا تو میں نے بھی کسی طرح پانچ شعر گھسیٹ ڈالے۔پروازی صاحب نے اس میں سے اڑھائی رہنے دیئے اور ساڑھے تین شعر خود شامل کر دیے اور ہمت بندھائی کہ پڑھ ڈالو۔چنانچہ میں نے مشاعرے میں پڑھ دیے۔مرزا فرید احمد صاحب ابا جان کو گولبازار میں ملے تو ان سے کہنے لگے کہ مولوی صاحب مبارک ہو! طاہر تو شاعر ہو گیا ہے۔ابا جان وہاں سے گھر چلے گئے اور جب میں گھر پہنچا تو والدہ نے خوب ڈانٹا کہ ہم نے تمہیں وہاں پڑھنے کے لئے بھیجا ہے یا شاعر بننے کے لئے؟

اب میں ٹی آئی کالج کے حوالے سے وہاں کی سٹوڈنٹس یونین کا ذکر کروں گا۔ہماری یونین بڑی ہی فعال یونین ہوا کرتی تھی۔اس میں سٹوڈنٹس کو بڑی ہی آزادی حاصل ہوا کرتی تھی۔اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ سٹوڈنٹس یونین سٹوڈنٹس لائف میں ڈیموکریسی کے لئے نرسری کا کام دیتی ہے، تو صحیح معنوں میں یہ رنگ وہاں نمایاں تھا۔اگرچہ نظم و ضبط، ڈسپلن اور وقار کا بھی خیال رکھا جاتا تھا اور تربیت کے امور بھی پیشِ نظر رکھے جاتے تھے مگر ایک آزادی بھی تھی۔چنانچہ سٹوڈنٹس یونین کے الیکشن بڑے جوش و خروش سے ہوا کرتے تھے۔عموماً ایک Pro Establishment اور ایک Anti establishment پارٹی ہوا کرتی تھی۔الیکشن میں کھڑے ہونے والے طلباء اپنے نام پیش کرتے تھے یا غالباً ان کے Seconder پیش کرتے تھے۔لیکن ایک چیز دیگر کالجوں سے مختلف یہ تھی کہ اساتذہ کی ایک کمیٹی ان ناموں کی سکروٹنی کیا کرتی تھی۔جس میں ان کا تعلیمی ریکارڈ اور عمومی کردار بھی دیکھا جاتا تھا۔پھر جو approved candidates ہوتے تھے ان کی لسٹ لگ جایا کرتی تھی۔پھر تمام کالج کو اکٹھا کر کے جس طرح آج کل امریکہ میں پریذیڈنشل ڈیبیٹس ہوتی ہیں ہمارے کالج میں بھی Candidates کی تقاریر ہوتی تھیں۔پھر الیکشن کا مرحلہ آتا تھا۔یہ باتیں آپ کو معلوم ہی ہوں گی مگر میں ریکارڈ کی خاطر عرض کر رہا ہوں۔convessing کی اجازت اس رنگ میں نہیں تھی جیسے آجکل ہوتی ہے۔نہ لڑائیاں تھیں، نہ جھگڑے تھے۔بڑی سادگی سے اور بڑے پُرامن طریق پر الیکشن ہوتا تھا۔مکرم امام صاحب (عطاء المجیب راشد) بھی تعلیم الاسلام کالج کی یونین کے صدر رہے ہیں۔ایک کیبنٹ بھی نامزد ہوا کرتی تھی، جو ساری کاروائی Conduct کیا کرتی تھی۔میں بھی کیبنٹ ممبر رہا۔تو بڑا ہی اچھا تعلیمی، تربیتی اور ادبی ماحول ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ ڈیموکریٹک ٹریننگ بھی۔

سٹوڈنٹس یونین کے زیرِ انتظام بہت سے فنکشنز، مشاعرے اور مباحثے وغیرہ ہوا کرتے تھے۔اُن دنوں سارے ملک میں ہی بین الکلیاتی مقابلوں کا رواج تھا۔ٹی آئی کالج کے طالب علم ان بین الکلیاتی مقابلوں میں شامل ہونے کے لئے جایا کرتے تھے۔ملک بھر میں ہمارے کالج کا ایک نام تھا۔لیکن وہاں بسا اوقات ایک مخالفت کا رنگ بھی ہوتا تھا۔بعض اوقات ابھی نام ہی پکارا جاتا تھا تو ہال ہُوٹنگ شروع کر دیتا تھا۔مگر پھر بعد میں جُوں جُوں ٹی آئی کالج کا مقرر چھاتا چلا جاتا تھا تُوں تُوں ہال میں سنّاٹا طاری ہو جاتا۔ہمارے سٹوڈنٹس نے شورش کاشمیری جیسے معاندین سے بھی اپنا لوہا منوایا اور انعام جیت کر واپس لوٹے۔

ٹی آئی کالج میں منعقد ہونے والے بین الکلیاتی مقابلے اور مباحثے بڑے مشہور تھے جن میں طلباء بڑی دُور دُور سے اور بڑے شوق سے شامل ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔مجھے یاد ہے ایک دفعہ تو 80 کے قریب مقررین تھے اور کراچی سے لیکر خیبر تک کے کالجوں کی ٹیمیں آئی ہوئی تھیں۔اور باقاعدہ Gold کے بنے ہوئے میڈلز دیئے جاتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دَور سے یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ باہر کے کالجوں سے آنے والے ڈیبیٹرز اور دیگر ٹیموں کے اراکین کے لئے ایک ڈِنر کا اہتمام کیا جاتا تھا۔یہ بڑی اچھی روایت تھی۔تو ڈیبیٹرز بڑے شوق سے آیا کرتے تھے۔انہیں روئنگ کے لئے دریا پر بھی لیجایا جاتا۔اُن دنوں ہمارے کالج میں ہونے والے بین الکلیاتی مباحثوں میں جو لوگ شامل ہوئے ان میں بڑے بڑے نام ہیں۔ان میں سے ایک اکرم شیخ ایڈووکیٹ بھی ہیں۔موصوف پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے۔یہ پچھلے دنوں ہمارے ایک دوست کی شادی میں بھی تشریف لائے۔ان کے علاوہ آج کل ہائی کورٹ کے ایک جج بھی ہیں جو ہمارے مشاعروں میں شامل ہوتے رہے۔اسی طرح بعض وکلاء اور افسران بھی ہیں جو وہاں آتے رہے۔تو یہ تعلیم الاسلام کالج کی یونین کی روایات میں سے ایک روایت تھی جس کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔

مشاعرے اُس زمانے میں بڑے ہوئے۔ملک کے بڑے نامور شعراء وہاں آئے۔جس سے ہمارے طلباء کی بڑی گرومنگ ہوئی۔اسی زمانے میں ایک بہت اہم تقریب اور ایک بہت بڑا فنکشن جو ہوا وہ اردو کانفرنس تھی۔اور بڑی ہی اعلیٰ اردو کانفرنس تھی۔کراچی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی اور پتہ نہیں کہاں کہاں سے نامور پروفیسرز آئے۔اس کے تین سیشنز ہوئے اور تین دن وہ کانفرنس چلتی رہی۔اس موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا۔عابد علی عابد کا نام مجھے یاد ہے۔انہوں نے ربوہ کے متعلق کچھ فی البدیہہ شعر بھی کہے تھے۔وہ لاہور سے جھومتے جھامتے ربوہ پہنچے تھے۔وہ کوئی احمدی شاعر تو تھے نہیں کہ صرف امام صاحب کی چائے پی کر ہی اپنا کلام سنا دیں۔

دیگر سوسائٹیاں بھی بہت active تھیں۔بہت active زمانہ تھا۔میں سمجھتا ہوں کہ تدریس کے ساتھ ساتھ سوسائٹیز کا جو نظام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جاری کیا ہوا تھا اس سے سٹوڈنٹس کی بہت ہی گرومنگ ہوتی تھی۔اس کے علاوہ ایک مجلس تنقیدِ ادب بھی ہوا کرتی تھی۔ہمارے ایک دوست لطیف گجراتی صاحب جو بعد میں بریگیڈیر ہوئے انہوں نے اس زمانے میں ایک شعر کہا تھا کہ ''لطیف اس راہ سے شاید وہ گزریں ۔ کھڑا ہوں منتظر دیوار کے ساتھ'' تو ہم نے اس مجلسِ تنقیدِ ادب میں اس شعر پر گھنٹوں ہی تنقید کر ڈالی کہ یہ دیوار کے ساتھ کیوں کھڑے تھے اور کس طرح کھڑے تھے اور کیا کر رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔تو ان ساری سرگرمیوں سے طلبا کو ایک ذہنی جلا حاصل ہوتی تھی۔

اسی طرح کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں ایک رسالہ المنار بھی تھا جو سنا ہے کہ یو کے سے اب دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔مجھے بھی اعزاز حاصل ہے کہ میں اس کے انگلش سیکشن کا ایڈیٹر تھا۔

(جاری ہے)

تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران

قسط دوئم

عطاءالقادرطاہر
عرصہ تعلیم 1969-1971ء

منوراحمدنمی
عرصہ تعلیم 1957-1961ء

ڈاکٹرداؤداحمدطاہر
عرصہ تعلیم 1966-1968ء

عبدالباری ملک
عرصہ تعلیم 1969-1973ء

حامداحمد

جاویداحمد
عرصہ تعلیم 1963-1967ء

رفیق اختر روزی
عرصہ تعلیم 1967-1970ء

مرزاحفیظ احمد
عرصہ تعلیم 1971-1972ء

مرزاعبدالرحیم انور
عرصہ تعلیم 1961-1963ء

راناعرفان شہزاد
عرصہ تعلیم 1988-1991ء

تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر ''المنار'' میں

باہمی تعارف کو وسعت دینے اور ریکارڈ کا حصہ بنانے کی غرض سے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر المنار میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ممبران سے گذارش ہے کہ اپنی تصویر اور تعلیم الاسلام کالج میں عرصہ تعلیم کی تفصیل بذریعہ ای میل یا بذریعہ ڈاک مجلس ادارت کو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آگ-غلاموں کی غلام

میں میڈیکل کے پہلے سال میں نیا نیا داخل ہوا تھا۔۱۸ برس کی عمر تھی کہ سگریٹ نوش ساتھیوں کی صحبت میں رہنے سے مجھے بھی اس کی عادت پڑ گئی پھر جب میں ۲۵ برس کی عمر میں احمدی ہوا تو میں نے یہ عادت ترک کردی۔کئی سال سختی سے پرہیز کیا مگر بیچ میں کبھی کبھی یہ پرہیز کم بھی ہوگیا۔اب سگریٹ سے سخت نفرت ہے۔میں ڈاکٹر ہوں۔میرے پاس کئی ایسے مریض آئے جن کے بستر یا کپڑوں کو سگریٹ سے آگ لگی۔جن میں سے بعض کی ٹانگیں ہاتھ یا بازو جل گئے اور کبھی پیٹھ اور سینہ بھی۔ایک دفعہ میں ڈھڑکی میں تھا۔رات کے کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا۔میں لیٹے لیٹے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔چونکہ مجھے نیند آ رہی تھی اس لئے لیٹے لیٹے ہی بچا ہوا سگریٹ پائینتی کی طرف پھینک دیا اور چونکہ صحن میں سردی تھی اس لئے رضائی اوپر لے کر سو گیا۔پھینکا ہوا سگریٹ یا تو رضائی پر گرا یا رضائی کا کچھ حصہ نیچے لٹک کر گرے ہوئے سگریٹ تک پہنچا۔جس سے اسے آہستہ آہستہ آگ لگتی چلی گئی۔ادھر میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔مجھے پتہ تب لگا جب آگ کا دھواں سانس کے ساتھ میری ناک کے اندر پہنچا۔میں نے محسوس کیا نیچے سے کوئی مجھے ٹھڈے مار رہا ہے۔میں نے یکدم آنکھیں کھولیں کیا دیکھا کہ میرا تکیہ اور رضائی کا سامنے والا حصہ اور بستر کی چادر جل رہی ہے۔میں یکدم رضائی ہٹا کر اُٹھ کھڑا ہوا تو ساتھ ہی سارا بستر چارپائی کے جلے ہوئے بان کے ساتھ زمین پر آ گرا اور آگ بھڑک اٹھی۔چارپائی کا خالی فریم میں نے آگ میں سے کھینچ لیا۔جلے ہوئے بان کے نشان اس پر موجود تھے۔

اللہ اکبر!بستر سارا جل گیا۔اس کا کوئی حصہ نہیں بچا۔چارپائی کی لکڑی کو آگ لگی مگر ہم نے اس پر پانی ڈال کر اس کی لکڑی بچالی۔اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں سچ اور بالکل سچ لکھ رہا ہوں کہ اس آگ کے اندر سے جو میرے چاروں طرف اوپر نیچے اور دائیں بائیں جل رہی تھی میں خارق عادت طور پر بالکل صحیح سلامت نکل آیا۔میری بیوی جس نے اچھی طرح یہ منظر دیکھا وہ بھی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے کہ:

۱۔رضائی کے اوپر کا حصہ سارا اور میرے دائیں بائیں رضائی اوپر نیچے ہر دو طرف سے جل چکی تھی۔نیچے والا حصہ جو میرے جسم کے ساتھ لگا ہوا تھا صرف وہی بچا ہوا تھا۔۲۔میرا تکیہ نیچے سے سارا اور اُوپر کی طرف نصف سے زیادہ جل گیا تھا۔صرف وہ حصہ بچا تھا جس پر میرا سر دھرا ہوا تھا۔۳۔چارپائی کا سارا بان جل گیا تھا۔صرف اتنی طاقت اس میں بچی کہ جب تک میں سویا ہوا تھا۔اُس نے مجھے اُٹھائے رکھا۔۴۔دری ساری کی ساری جل گئی تھی۔۵۔توشک اور چادر ہر طرف سے جل گئی تھی سوائے اوپر کے حصے کے جس پر میرا بدن تھا۔میری پوشاک اور میرے سر کے بال بالکل سلامت تھے ان کے کسی نقطے جتنے حصے پر بھی آگ یا دھوئیں کی سیاہی تک نہ تھی۔بستر پر سے میرے کود جانے کے ساتھ ہی جلا ہوا یہ تمام بستر چارپائی کے بان سمیت دھڑام سے نیچے آ رہا تھا اور آگ بھڑک اٹھی۔

میں ڈرا اور سہما ہوا حیران و ششدر پتھر کے بُت کی طرح کھڑا آگ کو دیکھ رہا تھا۔پھر یہ سوچ کر اور جان کر کہ یہ اظہر من الشمّس ہے کہ آگ کسی مقتدر ہستی کے حکم کی پابند تھی جو میرے کپڑوں اور میرے بدن تک آ کر رک گئی تھی میرا دل اللہ تعالیٰ کے اس لطف و احسان اور اس کے کرم کے احساس سے لبریز ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ایک غلام ایک عاجز بندے پر اس کا اتنا بڑا افضل دیکھ کر کھڑا نہ رہ سکا اور سر کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر میرا شکر گزار دل اس کے حضور سجدے میں گر گیا۔تب اچانک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام چمکا'' آگ سے ہمیں مت ڈراؤ! آگ ہماری غلام بلکہ ہمارے غلاموں کی غلام ہے''۔

یہ حیرت انگیز اور خارق عادت سلوک تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک احمدی غلام کو حضور کے ان غلاموں میں سے ایک غلام ہونے کا شرف بخشا جس کی آگ غلام ہے۔فالحمدللہ علی ذالک۔

(نشانِ کبیر خودنوشت سوانح ڈاکٹرعبدالعزیزاخوند)